© rasailojaraid.com

تمہید

"حیات سرمد" کے نام سے المعارف (جولائی ۱۹۹۲ء) میں مرحوم مولانا سید ابوالخیر مودودی کا ایک مقالہ شائع ہو چکا ہے، جسے اہل علم نے پسند فرمایا۔ اس سلسلہ کی دوسری کڑی :دارا شکوہ، سید صاحب کے قلم ہی سے شائع کی جا رہی ہے۔ دارا شکوہ شاہ جہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا، جو اپنے دوسرے بھائیوں کی بہ نسبت شاہ جہاں کو زیادہ عزیز تھا۔ شاید یہی بات دارا کی سیاسی زندگی کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی۔ وہ یوں کہ دارا اسی پیار کی وجہ سے زندگی کے نشیب و فراز اور تلخ حقائق سے ایک مدت تک نا آشنا رہا اور سیاسی بصیرت، آہنی اداد ے اور قوت فیصلہ سے ایک حد تک محروم۔ جنگی محاذ پر پہلے وہ ۱۶۵۳ء میں شاہ عباس ثانی کے خلاف قندھار کی مہم سر کرنے میں ناکام رہا، اس کی وجہ جنگ کی ناقص منصوبہ بندی تھی۔ اس نے اس مہم کو جیتنے کے لیے عملیات اور جادو کا سہارا لیا۔ جس سے اس کی کمزور سپاہیانہ اور قائدانہ اہلیت کا راز کھل گیا۔ تخت نشینی کی جنگ میں بھی اس سے غلطی ہوئی جس کے کفارہ میں اسے بالآخر اپنا سر دینا پڑا۔ پچاس ہزار فوج لے کر اورنگ زیب اور مراد سے مقابلہ کے لیے نکلا اور اپنے دشمنوں کی نقل و حرکت دیکھنے لگا۔ شام ہوتے ہی دونوں طرف کی فوجیں واپس ہو گئیں۔ اگر دارا اسی وقت حملہ کر دیتا، تو جنگ جیت سکتا تھا، کیوں کہ اتحادی فوجیں (اورنگ زیب اور مراد) ایک لمبی مسافت طے کرنے کی وجہ سے تھک چکی تھی، رات بھر آرام کرنے کے بعد یہ فوجیں تازہ دم ہو کر ۱۶۵۸ء میں آگرہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر سامو گڑھ کے میدان میں اتریں، اور جنگ جیت لی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دارا اپنے خاندان کی جنگی اور سپاہیانہ روایات کو آگے بڑھانے میں ناکام رہا، لیکن فلسفہ، مذہب اور تصوف میں اس کے قلم نے جو جوہر دکھائے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اہل ذوق نے انھیں سراہا۔ کیوں کہ ان میں قال کے ساتھ حال بھی شامل تھا۔یہی وجہ ہے کہ انسانی روح نے ان سے تازگی،بالیدگی اور معنویت پائی۔

داراشکوہ اپنی مذہبی اور روحانی روایات کے ساتھ ساتھ اپنے ملک کی دوسری مذہبی جماعت کی فلسفیانہ روایات سے بھی آگاہ تھا۔ وہ دونوں مذاہب (اسلام اور ہندو دھرم) کی روحانی شخصیات سے بھی برابر ملتا رہا۔ مزید یہ کہ وہ عرفان و حقیقت کا ذوق رکھتا تھا اور وحدۃالوجود کی شراب سے سرشار، دارا نے جہاں ممتاز صوفیایے کرام کے سوانح لکھے، وہاں اس نے مجمع البحرین، کے نام سے کتاب لکھی، جس میں اس نے بتایا کہ دونوں قوموں (ہندو اور مسلم) کے حقیقت شناس ایک ہی راہ کے سالک ہیں اور توحید و وحدت کے نغمہ سرا،دونوں قوموں کی عارفانہ روایات کی چھان بین کرنے کے بعد دادا نے ان میں ایک ہی حقیقت کو جلوہ گر پایا۔ لیکن دونوں کا باہمی اختلاف لفظی اختلاف ہے۔شہد کو شہد کہیں یا عسل،اس سے شہد کی حقیقت تو نہیں بدلتی۔ ۱۸۰۵ھ میں مصر میں شیخ احمد نے اور ۱۹۲۹ء میں مولوی محفوظ الحق نے کلکتہ سے اس کا عربی اور انگریزی ترجمہ بالترتیب شائع کیا۔

دارا نے ۱۶۵۷ء میں ہندو فلسفے کی معروف کتاب اوپنشد کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔اوپنشد کا فلسفہ ویدک فلسفہ کی ایک ارتقائی شکل ہے اور برہمن ازم کی ظاہر پرستی اور رسوم و عادات کے خلاف احتجاج۔اپنشد فلسفہ ہندوستانی فکر میں ایک نیا انقلاب تھا،جس میں انسانی فکر نے ان فضاؤں میں پرواز کی ہے،جن سے وہ اب تک ناآشنا تھا۔اس پرواز کا مقصد مذہب کے حقیقی معنی،انسان، کائنات اور خدا کی حقیقت کا سراغ لگانا تھا۔ان مقاصد کا سراغ لگانے کے لیے قدیم ہند کے اہل نظر سب سے پہلے اپنی تلاش میں نکلے اور اپنے من میں ڈوبنے کے عمل کو حقیقت کبریٰ تک پہنچنے کا زینہ قرار دیا۔

دارا نے پچاس اپنشدوں کو علمایے بنارس کے تعاون سے فارسی زبان میں منتقل کیا۔ دارا نے "سرِ اکبر" کے مقدمہ میں لکھا کہ توریت،انجیل، زبور اور دوسرے آسمانی صحیفوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اجمال سے توحید کی تعلیم دی ہے۔ موجودہ وقت میں جبکہ اہل ہوس، خدا شناس لوگوں کے درپے آزار ہیں، اس نے (دارا) اپنشدوں کا جو توحید کا سرچشمہ ہیں، بغیر کسی حذف واضافہ کے فارسی میں ترجمہ کر دیا ہے۔

دارا نے اپنی اس رائے کی تائید میں کہ اپنشد آسمانی صحائف ہیں، قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے، جن میں کہا گیا ہے کہ خدا نے دنیا کی ہر قوم میں اپنے پیغمبروں کو بھیجا ہے۔ البتہ اس نے سورۃ "واقعہ" کی آیت کریمہ "انہ لقرءان کریم فی کتٰب مکنون، (۵۶: ۷۸) میں "کتاب مکنون" کی جو تفسیر و تشریح کی ہے۔ وہ محل نظر ہے۔ اس کی رائے میں "کتاب مکنون" سے مراد اپنشد ہیں۔ یہ تفسیر روایت اور درایت دونوں کے خلاف ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو سر اکبر جسے ڈاکٹر تارا چند اور سید محمد رضا جلالی نے طہران سے شائع کیا ہے اور تفصیل سے دارا کے آثار واحوال پر بحث کی ہے۔)

دوسرے مذاہب کی تعلیمات اور روایات پر لکھنا اہل علم کی قدیم سنت ہے۔ دارا شکوہ سے بہت پہلے البیرونی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "الہند" میں ہندو مذاہب کی روایات پر لکھتے ہوئے بتایا کہ ہندو مذہب بنیادی طور پر ذات مطلق پر یقین رکھتا ہے۔ اللہ تعالی کے بارے میں اہل ہند کے عقائد کا ذکر کرتے ہوئے بیرونی لکھتے ہیں :۔ اللہ سبحانہ کے بارے میں (اہل) ہند کا عقیدہ ہے کہ اللہ کی ذات واحد ہے، جو ازلی ہے۔ اس کی کوئی ابتداء نہیں، انتہا نہیں۔ وہ اپنے فعل میں مختار ہے، حکیم ہے۔ اس کی بادشاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں ..... اللہ کی ذات پاک و بے مثال کے بارے میں یہی نقطہ نظر ڈاکٹر رادھا کرشن نے "زندگی کے متعلق ہندوؤں کا نقطہ نظر" میں پیش کیا ہے۔ البرونی شاید پہلا مسلم محقق ہے، جسے ہندو روایات، ان کے بنیادی ماخذ پر عبور و رسوخ حاصل تھا اور وہ پنڈتوں سے دوستی رکھتا تھا۔

دارا نے البیرونی کی روایت کو آگے بڑھایا، دارا کو علمی روایات کے ساتھ ساتھ حکمرانی کی روایات بھی ورثے میں ملی تھیں، وہ جانتا تھا کہ ملک کی اکثریت کا تعاون حاصل کئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیے بغیر حکومت مضبوط بنیادوں پر مستحکم نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ دارا کی سیاسی اور علمی سرگرمیوں کا ایک مقصد ہندو، مسلم تعلقات کو خوش گوار بنانا بھی تھا، یہاں پر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ دارا کا تعلق برصغیر کے معروف صوفی شیخ محب اللہ الہ آبادی سے بھی تھا جن کا کہنا تھا کہ "انصاف کا تقاضا ہے کہ حکمرانوں کی بنیادی فکر کا محور انسانوں کی فلاح و بہبود ہونی چاہیے۔ تاکہ لوگ سرکاری اہل کاروں کے استبداد سے محفوظ رہیں۔ عدل و انصاف کو اس امر سے کوئی تعلق نہیں کہ لوگ مسلمان ہیں یا غیر مسلم، تمام انسان در حقیقت خدائی کنبہ ہیں۔ اگر ایک آدمی ایسے تصورات (تمام انسان خدائی کنبہ ہیں) رکھتا ہے، تو پھر وہ مسلم اور غیر مسلم کا لحاظ کیے بغیر سب کے ساتھ ہمدردی رکھتا ہے۔ قرآن مجید اور (شیخ ابن عربی کی) فتوحات میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) تمام بنی نوع انسان کے لیے رحمت بنا کر معبوث کیے گئے ہیں۔"

داراشکوہ کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ:

۱۔ خدا، آں حضرت علی اللہ علیہ وسلم اور یوم آخرت پر صدق دل سے یقین رکھتا تھا، وہ نہ صرف تلاش حق میں زندگی بھر سرگرم عمل رہا بلکہ حق کے سانچے میں ڈھلنے کے لیے ریاضت بھی کرتا رہا۔

۲۔ ویدانت اور تصوف ایک ہی منزل کے رہرو ہیں۔

۳۔ اس پر الحاد و زندقہ کی تہمت ایک "سیاسی تہمت" ہے۔ جس سے ہر مذہب کے حق پرستوں کو واسطہ پڑا۔ شیخ ابن عربی، ابن سبعین اور اس پایہ کے علمایے ربانی تک اس "تہمت" سے نہیں بچ سکے۔

۴۔ صوفیا کرام کی تحریروں کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی ان کی اشاریت، شاعرانہ اسلوب اور صوفیانہ زبان کو ملحوظ خاطر رکھے، چنانچہ داراشکوہ کے بارے میں مولانا سید ابوالخیر مرحوم کا یہ کہنا کہ خود اس نے اپنے "کفر" کا اقرار کرتے ہوئے کہا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جب سے اس کا دل "کفر حقیقی" کی لذت سے آشنا ہوا ہے، "اسلام" رخصت ہو گیا ہے، دارا کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ مولانا مرحوم (سید ابوالخیر مودودی) نے اپنے مقالہ میں دارا کے "کفر" پر علامہ شبلی کا حوالہ بھی دیا ہے۔ شبلی "سر اکبر" کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :- اس کتاب کے دیباچہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دارا شکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا، دارا شکوہ نے اسی کتاب میں بسم اللہ کی بجائے گنیش جی کی تصویر دی ہے۔" (مقالات ۷ /۱۰۲) افسوس ! علامہ موصوف نے دارا کو "ہندو" قرار دینے میں کسی دلیل یا منطق کا سہارا نہیں لیا۔ "سر اکبر" کے دو قلمی نسخے رائل ایشیاٹک بنگال، اور کلکتہ یونیورسٹی لائبریری میں بھی پائے جاتے ہیں جن میں "سر اکبر" کی ابتدا "بسم اللہ الرحمن الرحیم" سے کی گئی ہے۔ البتہ آصفیہ آباد دکن میں موجودہ نسخے میں "اوم سری گنیش انیمہ" ضرور ہے۔ جس کے بارے ہے کہ یہ جملہ ایک ہندو کاتب کے قلم سے ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے۔ دارا شکوہ از بکراما (Bikaram)، دہلی ۱۹۸۲ء دوسرا ایڈیشن، ناشر منشی رام)

شبلی کے علاوہ سید صباح الدین عبدالرحمان مرحوم نے بھی اپنی کتاب "بزم تیموریہ" میں دارا کو "ہندو" ثابت کرنے کے لیے اسی قسم کی دلیلیں دی ہیں۔ جو تمام تر سطحی ہیں۔

مولانا سید ابوالخیر شاید اس امر سے آگاہ نہیں کہ خود شبلی نے اس امر پر "افسوس" کا اظہار کیا ہے کہ ان کے "کفر" سے ابھی تک "بوئے ایمان" آرہی ہے۔ شبلی فرماتے ہیں۔

دو دل بودن دریں رہ سخت تر عیبے ست سالک را
خجل ہستم ز کفر خود کہ دارا بوئے ایماں ہم

کیا مولانا مرحوم یا کوئی اور اس شعر کی بناء پر شبلی پر الحاد و زندقہ کی تہمت لگا سکتا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ تصوف کی ڈکشنری میں "کفر" کا معنی انکار حق نہیں، ادراک حقیقت ہے، جسے اصحاب عمائم کفر قرار دیتے تھے۔ اہل حق نے علمایے دنیا کی نفس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پرستیوں کا جنہیں وہ دین و مذہب قرار دیتے تھے۔ انکار کیا اور زبان حال سے برابر یہ صدا اٹھتی رہی کہ "اگر یہی ہے عاشقی تو پھر ترک عاشقی اولی" یہی وجہ ہے جب حالی جیسے صاحب ذوق نے شبلی کے اس شعر کو سنا تو ان پر " گھنٹوں خود فراموشی (طاری) رہی۔" (کاروان خیال از ابوالکام آزاد)

سچی بات یہ ہے کہ اورنگ زیب کی غیر معمولی انتظامی اور سپاہیانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لیے ضروری نہیں کہ دارا کو "ملحد و زیدیق" ثابت کیا جائے۔ اور ان سرکاری مورخوں پر اعتماد کر کے۔مثلاً منشی محمد کاظم، محمد ساقی خاں وغیرہ) دارا شکوہ کے محاسن کا انکار کر دیا جائے۔مولانا ابوالخیر مرحوم نے دارا شکوہ کو "خود سر" خود رائے اور ستائش پسند، قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ وہ اختلاف رائے کی بناء پر لوگوں کو سر دربار ذلیل و رسوا کرتا تھا، دارا کے صبر و تحمل اور وقار و تمکنت کا ذکر کرتے ہوئے محمد افضل سرخوش جیسے درویش منش دانش مند اپنے تذکرہ الشعراء میں لکھتے ہیں کہ ایک دن شاہزادے کی محفل میں تمکین نامی ایک آدمی نے رکیک اور مہمل جملے کہے، جس پر شاہزادہ خاموش ہو گیا اور اہل محفل جو خوف زدہ تھے، تمکین کا سرقلم ہونے کے منتظر ،لیکن دارا نے محفل کو برخاست کر دیا اور محل کے اندر جاتے ہوئے کہا کہ آئندہ اس مسخرے کو دربار میں آنے کی اجازت نہیں ہے۔اسی طرح نتائج الافکار کے مؤلف نے بتایا ہے (جس کا ذکر سید صاحب مرحوم نے اپنے مقالہ میں بھی کیا ہے) کہ دارا نے اپنی موت سے قبل جلاد سے نماز کے لیے چند گھڑیوں کی مہلت مانگی اور نماز پڑھنے کے بعد گیارہ قدم سوئے بغداد چلا اور حضرت شیخ عبدالقادر کی روح سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرا سرقلم کر کے آپ نے مجھے حیات جاوداں عطا کی ہے کیا کوئی دنیا دار بہ ایں وقار و تمکنت موت کا مقابلہ کر سکتا ہے؟

سید ابوالخیر صاحب مرحوم نے اس مقالے میں ہماری کلاسیکی دستاویزات کو اہل علم کے لیے یک جا کر دیا ہے۔مولانا مرحوم کا دارا شکوہ سے روحانی تعلق بھی تھا۔ دونوں شیخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبدالقادر جیلانی سے گہرا روحانی رشتہ رکھتے تھے۔ مولانا نے اپنے رشتے کا ذکر کرتے ہوئے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا تھا کہ ایک دفعہ مجھے خواب میں حضرت شیخ کی زیارت نصیب ہوئی۔ شیخ نے فرمایا کہ آخر کب تک تم ہم سے دور رہو گے۔ اس خواب کے بعد مولانا نے اپنی راہ بدل دی اور پھر اس راہ میں انھوں نے جو کچھ پایا، وہی حاصل زندگی تھا۔

(رشید احمد)

© rasailojaraid.com